کامیاب جمہوریت وسیاست، اسلامی تناظر میں

ڈاکٹر سید باچا آغا*

Abstract:
"Democracy in modern usage, is a system of government in which the citizens exercise power directly or elect representatives from among themselves to form a governing body, such as a parliament. Democracy is sometimes referred to as "rule of the majority". Democracy is a system of processing conflicts in which outcomes depend on what participants do but no single force controls what occurs and its outcomes. The uncertainty of outcomes is inherent in democracy, which makes all forces struggle repeatedly for the realization of their interests, being the devolution of power from a group of people to a set of rules. Most of the political movements in the world have made it their goal to establish this system in their respective countries. Democracy is the most popular and accepted political system in the modern world. Yet, there exists some difference of opinion among the Islamic groups on democracy. Democracy and human rights have occupied very important position in the political agenda of many of the Islamic parties. However, some of the parties and people do not accept it, since democracy speaks of sovereignty of the people. In this context, we need careful and deep analysis on this issue. We need to understand the issue avoiding the minor technicalities. As we see, Islamic parties and Islamic scholars of the modern world think of a political system wherein government will run the country through Parliament."
Keywords: Democracy, politics, Islamic context, Reform of institutions.

جمہوریت

لفظ جمہوریت یونانی زبان کے دو الفاظ Demos اور Krates سے عبارت ہے، جن کے معنی علی الترتیب لوگ اور حکومت ہیں۔ اس کے مختلف تعریفات کئے گئے ہیں۔ پروفیسر سیلے کے

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج، کوئٹہ

نزدیک ”جمہوری حکومت ایسی حکومت کو کہا جاتا ہے جس میں ہر شخص کو حکومتی معاملات میں شرکت حاصل ہو۔“[۱]

لارڈ برائس کے خیال میں جمہوری حکومت وہ ہے کہ: ”جس میں حکومت کرنے کا حق قانونی طور پر کسی مخصوص طبقہ یا طبقات کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ حق تمام افراد معاشرہ کو اجتماعی طور پر حاصل ہوتا ہے۔“[۲]

واضح رہے کہ برائس نے جمہوریت کو محض ایک سیاسی تصور کی حیثیت سے پیش کیا ہے لیکن جدید رجحانات کے اعتبار سے جمہوریت کو ایک مکمل ضابطہ تصور کیا جاتا ہے۔

صدر لنکن نے جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ: ”جمہوریت عوام کے ذریعے عوامی مفادات کے لئے عوام ہی کی حکومت کو کہتے ہیں۔“[۳]

مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

> ”جمہوریت کا لفظ در حقیقت ایک انگریزی لفظ Democracy کا ترجمہ ہے، اور انگریزی میں بھی یہ لفظ یونانی زبان سے آیا ہے اور یونانی زبان میں Demo عوام کو کہتے ہیں۔ Cracy یونانی زبان میں حاکمیت کو کہتے ہیں، اسی لئے عربی میں جب اس کا ترجمہ کیا گیا تو اسے ”دیمقراطیہ“ کہا گیا۔“[۴]

بہر حال آسان لفظوں میں جمہوریت سے مراد ہے عوام کی حکومت۔ جمہوری نظام ایک ایسے نظام سیاست کو کہتے ہیں جس کے تحت لوگ بالواسطہ یا بلاواسطہ سیاسی معاملات میں شرکت کر سکیں۔ نظریاتی اعتبار سے ایک جمہوری ریاست میں کسی مخصوص طبقہ کو سیاسی معاملات پر اجارہ داری حاصل نہیں ہوتی بلکہ تمام شہریوں کو مساوی سیاسی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ یا بالفاظ دیگر جمہوریت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ حاکمیت کا حق عوام کو حاصل ہے، لہذا جمہوریت کے معنی ہوئے ایسا نظام حکومت جس میں عوام کو، یا عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کے لئے بنیاد بنایا گیا ہو۔ ویسے جمہوریت کی جامع ومانع تعریف میں بھی خود ارباب سیاست کا اتنا اختلاف ہے کہ ایک کی تعریف دوسرے سے نہیں ملتی ہے، لیکن بحیثیت مجموعی جو مفہوم ہے وہ یہی ہے کہ اس سے ایسا نظام حکومت مراد ہے جس میں عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کی بنیاد بنایا گیا ہو۔ جمہوریت اور مذہب کا آپس میں کوئی بندھن نہیں بنتا جس طرح ابو معاذ القرنی نے لکھا ہے کہ:

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ادیان کفر میں سے ہر ایک ایسے نظام و منہج پر مشتمل ہوتا ہے جو کہ سراسر اسلام کے خلاف اور اس کی ضد ہے۔ اس میں کمیونزم، سوشل ازم، سیکولر ازم اور مشنریز وغیرہ جیسے جتنے نئے نظام واصول سب شامل ہیں۔لوگ ان کو اپنے پراگندہ خیالات سے تشکیل دیتے ہیں اور پھر بطور دین انہیں اختیار کرلیتے ہیں۔ ''دین جمہوریت'' بھی اس میں شامل ہے کیونکہ یہ بھی اللہ کے دین کے سوا ایک دین ہے۔ اس نئے دین میں جس کے فتنے میں اکثر لوگ بلکہ اکثر مسلمان مبتلا ہیں۔ اس گمراہی واضح کرنے کے لئے یہ بات پیش خدمت ہے کہ ''جمہوریت'' ملت توحید سے الگ ایک مستقل دین اور صراط مستقیم سے الگ ایک مستقل راستہ ہے، جس کے دروازے پر شیطان بیٹھا جو کہ جہنم کی طرف داعی ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اہل ایمان اس سے اجتناب کریں اور اس سے اجتناب کی دعوت دیں مؤمنوں کی یاد دہانی، غافلوں کی بیداری، ضدی سرکشوں پر اقامت حجت اور رب العالمین کے ہاں عذر خواہی کے لئے [5]۔ کیونکہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

''وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ''[6]

ترجمہ: (اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ اس سے کبھی قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا۔)

سیاست کے حوالے سے جمہوریت کا نفاذ شاید کہیں بھی کامل نہیں ہے۔ اسلامی معاشرے سے اس کا فرق یہ ہے کہ اسلام میں وحی کو بالا دستی حاصل ہے جبکہ جمہوریت میں عوام کی مرضی کو بالا دستی حاصل ہے خواہ وہ کسی مذہب سے متصادم ہی کیوں نہ ہو۔ اس نظریہ کو اسلام کسی طرح سے بھی قبول نہیں کرسکتا لیکن عملی طور پر جمہوریت کے اثرات دیکھ کر مسلمان اسے اختیار کرنے پر مجبور ہیں، خاص طور پر سیاسی قیادت کی فراہمی کے لئے انتخابی جمہوریت ایک سیدھا اور آسان طریقہ نظر آتا ہے۔ دور حاضر میں مسلمان، جن میں علماء بھی شامل ہیں، کی توانائی اس ضمن میں خرچ ہورہی ہے کہ کس طرح سے جمہوری عمل اور اسلام کے مابین راہ کو ہموار کیا جائے۔ بعض نے جمہوریت کو عین اسلام قرار دیا اور خلافت راشدہ کو اس سے تعبیر کیا لیکن یہ اس کے لغوی معنوں میں تو ہوسکتا ہے اصطلاح میں نہیں ایک طبقہ اسے سرے سے کفر قرار دیتا ہے اور ہر طرح

کے انتخابی عمل کا رد کرتا ہے، لیکن وہ اس کا کوئی عملی متبادل حل بھی ابھی تک پیش نہیں کر سکا۔ جس طرح کہ ابو معاذ القرنی لکھتا ہے کہ:

"عصرِ حاضر میں بڑے بڑے فتنوں میں سے ایک "جمہوریت" کا فتنہ ہے اور لوگوں کی اکثریت اس فتنے میں مبتلا ہے اور کیفیت یہ ہے کہ وہ اس جمہوریت کا دفاع کرنے اور اس کی طرف دعوت دینے میں مشغول ہیں۔ یہ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر کے کبھی اس کو اسلامی نظام شوریٰ کی جدید شکل قرار دیتے ہیں اور اس کے نظام انتخاب کو مشاورت کا نام دیتے ہیں تو کبھی خلفائے راشدین کے طریقۂ انتخاب کو توڑ مروڑ کر جمہوریت کے حق میں دلیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح دورِ نبوی ﷺ اور دورِ خلفائے راشدینؓ کے دور میں ہونے والے فیصلوں کے بارے میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ کثرتِ رائے کی بنیاد پر ہوتے تھے اور کبھی اس جمہوریت کو اختیار کرنے کے لئے مصلحتوں اور ضروریات کو دلیل بنایا جاتا ہے لیکن یہ فعل درحقیقت حق و باطل، نور و ضلالت اور توحید و شرک کو خلط ملط کرنے کے مترادف ہے۔ جمہوریت اللہ کے دین کے مقابل ایک مستقل دین ہے اور توحید کے خلاف ایک ملت ہے اور اسی طرح جمہوریت کی پارلیمانی اور اسپیکر کی نشستیں صریح شرک اور بت پرستی ہے، جن سے اجتناب کرنا توحید کی سالمیت کے لئے ضروری ہے جو کہ بندوں پر اللہ کا حق ہے۔ اس نظام کی بیخ کنی کرنا اور اسکے متعلقین سے بغض و عداوت رکھنا اور ان کے خلاف جہاد کرنا واجب ہے اور یہ کہ یہ جمہوریت کوئی "اجتہادی مسئلہ" بھی نہیں جیسا کہ بعض اس شیطانی دجل و فریب کا شکار ہیں۔ بلکہ یہ وہ واضح اور قدیمی شرک و کفر ہے جس سے اللہ نے اپنی محکم تنزیل میں ڈرایا ہے اور نبی ﷺ طویل عرصہ اس کے خلاف بر سرِ پیکار رہے ہیں۔ لہٰذا نبی ﷺ کی اسی سنت کو تھامتے ہوئے اُن کے متبع اور مددگار بننے کی کوشش کریں جو شرک و مشرکین اور ان کے نظام زندگی سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے اور حق و اہل حق کی اجنبیت کے اس دور میں اس گروہ میں شامل ہو جائیں جو دین اللہ کے قیام کے لئے رسول کریم ﷺ کے دیئے ہوئے طریقے کے مطابق سرگرم عمل ہے۔"[۷]

جس کے متعلق نبی مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا:

"لا تزال طائفة من امتى يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناواهم حتى يقاتل اخرهم المسيح الدجال"[۸۰]

ترجمہ: (مسلسل میری امت میں سے ایک جماعت لڑتی رہے گی حق پر، غالب رہے گی اپنے مخالفین پر یہاں تک کہ وہ آخر میں مسیح دجال سے قتال کرے گی۔)

بہر حال جمہوریت سے متعلق اس شدید سوچ کے برعکس اہل علم کا ایک گروہ جمہوریت کے قابل عمل راہ کے متلاشی ہیں، وہ جمہوریت سے نقائص کو صاف کر کے اس کے قابل عمل راہ ڈھونڈتے ہیں جیسے کہ ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں کہ:

جمہوریت کے اصول کو عمل میں لانے کی جو بے شمار شکلیں مختلف زمانوں میں اختیار کی گئی ہے یا تجویز کی گئی ہیں ان کی تفصیلات سے قطع نظر اگر انہیں صرف اس لحاظ سے جانچا اور پرکھا جائے کہ جمہوریت کے اصول اور مقصد کو پورا کرنے میں وہ کہاں تک کامیاب ہوتی ہے تو کوتاہی کے بنیادی اسباب صرف تین ہی پائے جاتے ہیں۔

"اول یہ کہ جمہور کو مختار مطلق اور حاکم مطلق (Sovereign) فرض کر لیا گیا اور اس بناء پر جمہوریت کو مطلق العنان بنانے کی کوشش کی گئی۔ حالانکہ جب بجائے خود انسان ہی اس کائنات میں مختار مطلق نہیں ہے تو انسانوں پر مشتمل ہی کوئی جمہور کیسے حاکمیت کا اہل ہو سکتا ہے۔ اسی بناء پر مطلق العنان جمہوریت قائم کرنے کی کوشش آخر کار جس چیز پر ختم ہوتی رہی ہے وہ جمہور پر چند آدمیوں کی عملی حاکمیت ہے۔ اسلام پہلی ہی قدم پر اس کا صحیح علاج کر دیتا ہے وہ جمہوریت کو ایک ایسے بنیادی قانون کا پابند بناتا ہے جو کائنات کے اصل حاکم(Sovereign) نے مقرر کیا ہے اس قانون کی پابندی جمہور اور اس کے سربراہ کاروں کو لازماً کرنی پڑتی ہے اور اس بناء پر وہ مطلق العنانی سرے سے پیدا ہی نہیں ہونے پاتی جو بالآخر جمہوریت کی ناکامی کا اصل سبب بنتی ہے۔

دوئم یہ کہ کوئی جمہوریت اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک عوام میں اس کا بوجھ سہارنے کے لائق شعور اور مناسب اخلاق نہ ہوں۔ اسلام اسی لئے عام مسلمانوں کی فرداً فرداً تعلیم اور اخلاقی تربیت پر زور دیتا ہے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ ایک ایک فرد مسلمان میں ایمان اور احساس ذمہ داری اور اسلام کے بنیادی احکام کا اور ان کی

پابندی کا ارادہ پیدا ہو۔ یہ چیز جتنی کم ہو گی جمہوریت کی کامیابی کے امکانات کم ہونگے اور یہ جتنی زیادہ ہو گی امکانات اتنے ہی زیادہ ہونگے۔

سوئم یہ کہ جمہوریت کی کامیابی کے ساتھ چلنے کا انحصار ایک بیدار، مضبوط رائے عام پر ہے اور اس طرح کی رائے عامہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب معاشرہ اچھے افراد پر مشتمل ہو ان افراد کو صالح بنیادوں پر ایک اجتماعی نظام میں منسلک کیا گیا ہو اور اس اجتماعی نظام میں اتنی طاقت موجود ہو کہ برائی اور برے اس میں نہ پھل پھول سکے اور نیکی اور نیک لوگ ہی اس میں ابھر سکے اسلام نے اس کے لئے بھی ہم کو تمام ضروری ہدایات دے دی ہیں۔"[۹]

اگر مندرجہ بالا تینوں اسباب فراہم ہو جائیں تو جمہوریت پر عمل درآمد کی مشینری خواہ کسی طرح بنائی جائے وہ کامیابی کے ساتھ چل سکتی ہے اور اس مشینری میں کسی جگہ کوئی قباحت ہو تو اس کی اصلاح کر کے بہتر مشینری بھی بنائی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد اصلاح وارتقاء کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ جمہوریت کو تجربہ کا موقع ملے تجربات سے بتدریج ایک ناقص مشینری بہتر اور کامل تر بنتی چلی جائے گی۔

سیاسی نظام

ڈیوڈ ایسٹن نے سیاسی نظام کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ:

"The System of interaction in any society through which hinding or authoritative allocations are made."[10]

(کسی معاشرہ میں باہمی ربط کا ایسا نظام جس کے ذریعے بااختیار ذرائع سے معاملات طے کئے جاتے ہیں۔)

اس تعریف کی رو سے ایک سیاسی نظام کا تعلق محض حکومتی اداروں سے ہی نہیں ہوتا بلکہ سیاسی فیصلہ سازی سے متعلق تمام معاملات اور سرگرمیاں اس کے دائرہ کار میں آتی ہیں۔ ایک معاشرہ کے اندر ایسے تمام شعبے اور سرگرمیاں جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت ومملکت سے تعلق ہو ایک سیاسی نظام کے دائرہ کار میں آتی ہیں۔ درحقیقت مختلف سیاسی پہلوؤں کا تجزیہ جس وسیع ڈھانچہ کو مدنظر رکھ کر کیا جائے اسے سیاسی نظام کہتے ہیں۔ ہر سیاسی نظام کسی سماجی ڈھانچے کا حصہ ہوتا ہے، لہذا اس کی حقیقی نوعیت کو متعلقہ سماجی ڈھانچے کے حوالے سے ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ ایک

سیاسی نظام معاشرہ کے مقاصد کی تکمیل کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ سیاسی نظام ہی کے اندر پبلک پالیسی کی تشکیل کے ذریعے بنیادی فیصلے کئے جاتے ہیں۔اس قسم کے بیشتر اساسی نوعیت کے فیصلے معاشرتی ڈھانچہ پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ایک نظام کی حسن کارکردگی اور دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ اپنے Input اور Output فرائض کی بجاآوری میں کس حد تک کامیاب ہے، یعنی سیاسی فیصلوں کی صورت میں وہ کس حد تک عوامی مطالبات اور پبلک پالیسی میں ہم آہنگی برقرار رکھ سکتا ہے، اس سلسلے میں ایک سیاسی نظام کی اعلیٰ حسن کارکردگی اس کے استحکام کی ضمانت کا پیش خیمہ بنتی ہے۔

لفظ سیاست کے مروجہ معنوں اور دنیا کے دھوکے باز سیاسی رہنماؤں کے عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ لفظ سیاست کے معنوں میں اتنی تحریف کی گئی ہے کہ آج دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس لفظ کے لغوی و حقیقی معنوں سے تضاد رکھتا ہے۔ سیاست کی تو یہ تعریف کی گئی ہے کہ:

''ساس القوم دبّرهم وتولیٰ امرهم ،استصلاح الخلق بارشادهم الی الطریق ، تدبیر المعاش مع العموم علی سنن العدل الاستقامة''[۱]

ترجمہ: (کسی معاشرے کی سیاست کرنا ان کے امور کی تدبیر اور ان کے تقاضوں کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف اور رہنمائی کے معاملات کو آزادی سے بجا لانا۔ معاشرے کی معیشت عدل وانصاف اور آزادی کے اصولوں پر قائم کرنا۔)

لغت اور اسلامی کتابوں کے ماخذ اور متون میں مندرج لفظ سیاست کے معنوں پر غور کرنے سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سیاست کے حقیقی معنی انسانی معاشرے، ملک اور عوام کی سرپرستی وقیادت کے ان ابعاد پر مشتمل ہے جن کے ذریعہ ان کی فلاح وبہبود اور ترقی کی ضمانت ملتی ہے۔

اکیسویں صدی کے تناظر میں جدید سیاسی نظام کے حامل مملکت جو کہ اسلامی قوانین کے مطابق ہو، کا قیام ناگزیر ہے۔ محمد عربی ﷺ نے ایک قلیل مدت میں اسلامی نظریات کے عین مطابق ایک جدید فلاحی انقلابی ریاست قائم کی اور پورے عرب کو اس کے زیر سایہ لانے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ افراد کی سیرت کی تشکیل معاشرے اور ریاست سے باہر ممکن نہیں[۲]۔ داخلی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے سیرۃ النبی ﷺ کے مطابق تین چیزیں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔

ا۔ سیاسی نظام کی تشکیل نو

۲۔ امن وامان کا قیام

۳۔ ریاستی اداروں کی اصلاح

سیاسی نظام کی تشکیل نو

اس وقت تقریباً تمام مسلم ریاستوں میں ملوکیت، جاگیرداری، سرمایہ داری یا مغربی جمہوریت کے ذریعے حکومتیں بنتی اور بدلتی ہیں جبکہ اسلام کے سیاسی نظام میں ان عوامل کا سرے سے کوئی دخل ہی نہیں۔ بلکہ اسلام کا تو پیغام ہی طبقاتی امتیاز کا خاتمہ تھا۔ ہمارے ایک روشن خیال مفکر نے لکھا تھا کہ:

> ''کوئی جمہوریت جو اسلامی ہونے کا دعویدار ہو، وہ نہ برطانوی نمونے کی ہوگی اور نہ روسی۔ ان میں پہلی تو دو یا زائد جماعتوں کے تصادم پر مبنی ہے اور دوسری صرف ایک جماعت کے اقتدار کی اجارہ داری ہے جو کسی اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی اسلامی حکومت اسلامی اصول پر اسمبلی یا کسی پارلیمنٹ کو تشکیل دے تو اس کے مذہبی پیشواؤں کی انجمن بن جانے کا خطرہ نہیں۔ اسلامی معاشرہ ایک غیر طبقاتی معاشرہ ہے کیونکہ یہاں کوئی مذہبی انجمن اور طبقات خاص رعایت اور مفادات کے ساتھ نہیں ہیں لیکن اصحاب علم اور اہل دانش میں ارکان مجلس کے انتخاب کا کوئی طریقہ ہونا چاہئے۔ سیاسیات میں مال ودولت کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہئے ورنہ برائے نام جمہوریت اور عملی طور پر اہل ثروت کی ریاست ہوگی۔''[۱۳]

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے اولین خطبہ خلافت میں فرمایا تھا کہ:

> ''أیھا الناس ان اکیس الکیس التقی وان احمق الحمق الفجور ، وان اقواکم عندی الضعیف حتی آخذ له بحقه، وان اضعفکم عندی القوی حتی آخذ الحق منه. انما أنا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعینونی وان زغت فقومونی وحاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا''[۱۴]

ترجمہ: (لوگو سب سے بڑی سمجھ داری تقوی ہے اور بڑی نادانی گناہ کا کام ہے۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوا دوں، اور قوی

ضعیف ہے یہاں تک کہ اس سے غریب کا حق لے لوں۔ میں متابعت کرنے والا ہوں مبتدع نہیں۔ اگر میں اچھائی کروں تو میری مدد کرو، اگر غلط کروں تو مجھے درست کرو۔ اور تم لوگ اپنا محاسبہ کرو اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔)

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہمارا ملکی سیاسی ڈھانچہ ایسے خطوط پر استوار ہے جو ہمیں ایسے حکمران دے سکے جو حضرت صدیق اکبرؓ جیسا نصب العین اور روشن فکر کا حامل ہو؟ یقیناً مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کے حکمران بلا تفریق عوام کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں، امراء کو نوازنے اور غرباء کو مزید غربت کی چکی میں پیسنے کا جو رواج ہمارے ہاں عام ہے اسے سرے سے ختم کرنا ہوگا۔ ہمارے ملک میں تضاد خیالی اور تنگ نظری کا یہ عالم ہے کہ اکثر اوقات ایک دوسرے کو رجعت پسند، قدامت پسند، اسلام دشمن، مغرب زدہ، آزاد خیال اور بعض اوقات مرتد جیسے سخت القابات سے نوازا جاتا ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا حکمران طبقہ ملک کو صحیح اسلامی سیاسی نظام کی کسی ایک نہج پر قائم کر سکیں گے۔ لہذا اس کا واحد حل یہی ہے کہ صرف زبانی کلامی دعوؤں کی بجائے حقیقی رواداری، وسعت نظر، حکمت، حلم وبردباری، قوت برداشت اور روشن خیالی کا عملی مظاہرہ کیا جائے جو سیرۃ النبی ﷺ کا امتیازی شان بھی ہے۔

اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ فکری یکجہتی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، جدید مسائل کی نوعیت اور وسعت کے پیش نظر ایک فرد کے بس کی بات نہیں، لہذا اجتماعی اجتہاد کے لئے ادارے تشکیل دئے جائیں جن میں تمام مکاتب فکر کے علماء، اسکالرز اور اہل دانش شامل ہوں۔ یہ ادارے مجالس قانون ساز کا باقاعدہ حصہ ہوں جہاں دوسرے ماہرین کے ساتھ انہیں بھی قانون سازی میں برابری کا حق ہو۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

"علماء کو مجالس قانون ساز کا لازمی حصہ ہونا چاہئے تاکہ وہ قانون سازی کے عمل میں رہنمائی اور مدد مہیا کر سکیں۔"[۱۵]

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ارباب اقتدار، سیاسی زعماء اور ارباب حل وعقد ملک میں ایک ایسا سیاسی نظام تشکیل دے جو اسلامی اصولوں اور عوامی امنگوں کے مطابق ہو نہ کہ ذاتی پسند ناپسند کے۔ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے مملکت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جائے، جو بھی ملک یا ادارہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا یقیناً اس کے عوام و افراد خوشحال و مطمئن بھی ہونگے، کیونکہ اسلام میں ہر فرد کے حقوق و خواہشات کا حد المقدور خیال رکھا

جاتا ہے، لہٰذا کامیاب ریاست بھی وہی ہو سکتا ہے جس کا سیاسی نظام کامیاب ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک میں خود احتسابی کا عمل انتہائی اہم ہے، احتساب کا فرض اگر خلوص اور جرأت کے ساتھ ادا کیا جائے تو ایک غیر جانب دار نقاد اور ایک بے لاگ مؤرخ کی طرح اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے گی جو ایک کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کا سبب بنے گی۔

امن وامان کا قیام

ہمارے ملک میں امن وامان کی صورتحال ناگفتنی ہے۔ بد امنی، قتل وغارت گری، ٹارگٹ کلنگ، اغواء برائے تاوان، بم بلاسٹ، دھماکے اور خودکش حملے وغیرہ وہ چیزیں ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ہر شہری ذہنی کوفت میں مبتلا ہے بلکہ ان چیزوں نے ہمارے سیاسی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ داخلی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے امن ومان کا قیام انتہائی اہم ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جب مکہ کو آباد کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس شہر کو امن کا گہوارہ بنانے کی دعا کرتے ہیں اس کے بعد معیشت کی بات کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی مملکت کے لئے امن وامان کا قیام لازمی جزو ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''وَاِذْقَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًاوَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ''[۱۶]

ترجمہ: (اور جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب بنادے اس شہر کو امن والا، اور اس کے رہنے والوں کو رزق دے میوے۔)

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی داخلی امن کی طرف توجہ فرمائی، فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت سے سخت کاروائی فرمائی اور آپ ﷺ کا یہ فرمان سچ ہو کر رہا کہ:

''ليتمن هذا الأمر حتى يسير الراكب من صنعاء الىٰ حضر موت ،لايخاف الا الله''[۱۷]

ترجمہ: (ایک وقت ایسا آئے گا جب صنعا یمن سے ایک محمل نشین خاتون تنہا سفر کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا۔)

امن وامان بر قرار رکھنے کے لئے آپ ﷺ نے کشت وخون سے ہر ممکن گریز کیا، آپ ﷺ نے جاہلی معاشرے کے ان افراد سے لوگوں کو نجات دلائی جو ناسور کی حیثیت اختیار کر چکے تھے، وہ نہ خود امن، اسلام، آزادی اور عدل ومساوات کے قائل تھے اور نہ کسی دوسرے کو یہ اعلیٰ قدریں قائم کرنے دیتے تھے، اس لئے جس طرح ایک انسان کا بازو اگر اتنا خراب ہو جائے کہ اندیشہ ہو کہ اگر اسے کاٹا نہ گیا تو اس کا زہر پورے بدن میں سرائیت کر جائے گا اور وہ آدمی مر جائے گا، ایسے آدمی کا بازو کاٹ کر اسے بچا لینا سراپا رحمت وشفقت ہے، اسی طرح انسانی معاشرے میں جو افراد ناسور کی حیثیت اختیار کر جائیں اور دوسرے لوگوں کو بھی تباہی کی طرف لے جا رہے ہوں، ان سے معاشرے کو نجات دلانا رحمت اور انسان دوستی کا تقاضا ہے، نبی کریم ﷺ نے غزوات کے ذریعے یہی کام کیا[۱۸]۔ لہذا حضور ﷺ کے اسی فلسفے کو مد نظر رکھتے ہوئے ملکی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے داخلی امن وامان کا قیام ایک لازمی امر ہے۔ اس کے لئے سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی لازمی امر ہے جس میں دو چیزیں بڑی واضح ہیں:

الف: بے لاگ عدل وانصاف اور عدلیہ کی بالادستی۔

ب: اداروں کے استحکام اور اصلاح کے لئے احتساب کے عمل کو جامع اور ہمہ گیر شکل دینا۔

ان نقاط کو مد نظر رکھتے ہوئے اقدامات اٹھانا ایک کامیاب سیاسی نظام کے حامل مملکت میں امن وامان کے قیام کے لئے جزو لاینفک ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ''[۱۹]

ترجمہ: (اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کے لئے اگرچہ نقصان ہو تمہارا، یا ماں باپ کا، یا قرابت والوں کا۔)

ریاستی اداروں کی اصلاح

سیاسی نظام کے ضمن میں تیسرا اہم مسئلہ ریاستی اداروں کا اصلاح واستحکام ہے۔ آج اگر ہمیں مملکت خداداد پاکستان میں افراتفری کا عالم محسوس ہو رہا ہے یا بے چینی اور عدم استحکام سے ہم دوچار ہیں تو اس کا بنیادی وجہ اکثر ریاستی اداروں کی عدم اصلاح ہے۔ جس میں سفارش، رشوت،

کرپشن، نا قابلیت، دھوکہ دہی، چور بازاری، اقرباء پروری کی یلغار، عدم مساوات، انتظامیہ مقننہ، عدلیہ وغیرہ کا عدم احترام، اختیارات کا ناجائز استعمال اور انصاف واحتساب کا نہ ہونا وہ عوامل ہیں جن میں ہمارے ملک کا تقریباً ہر فرد مبتلا ہے۔ اگر ملک کو داخلی وخارجی خلفشار سے بچانا ہے اور اسے ایک کامیاب اور بطور نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے تو ارباب اقتدار پر لازم ہے کہ وہ تمام تر ریاستی اداروں کی اصلاح کرے اور اس میں استحکام کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کریں۔ حضور ﷺ نے ریاست میں قائم کردہ تمام شعبوں کے استحکام پر خصوصی توجہ دی۔ اسی ضمن میں سیرت النبی ﷺ اور خلافت راشدہ کی رہنمائی مشعل راہ ہے، جس سے درج ذیل ہدایات اخذ کئے جاتے ہیں:

۱۔ سرکاری ملازمین کا تقرر اہلیت اور استحقاق کی بنیاد پر کیا جائے۔

اگر کسی کام کو سفارش، رشوت یا اقرباء پروری کے تحت نا اہل کے حوالے کیا گیا تو سمجھ لیں کہ بربادی آن پہنچا ہے۔ جبکہ در حقیقت ہمارے ملک میں یہی چیزیں سر عام اور بلا خوف وخطر جاری ہیں جن پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ اس سلسلے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ''[۲۰]

ترجمہ: (جب کوئی کام نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کیا جائے۔)

۲۔ سفارش اور اقرباء پروری کے عناصر کا قلع قمع کیا جائے۔

سفارش و اقرباء پروری وہ ناسور ہے جو اداروں کو کھلا کر دیتا ہے، جبکہ ہمارے ملک میں سب سے زیادہ جو کلچر عام ہے وہ یہی سفارش اور اقرباء پروری ہے۔ اس کلچر کے ہوتے ہوئے ہم کبھی بھی اپنے ملک کو ایک کامیاب سیاسی نظام کے دائرے میں داخل نہیں کر سکتے۔ حضور ﷺ نے اس کلچر کا سخت مذمت کرتے ہوئے ایک مقام پر اس سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

''اتشفع فی حد من حدود اللہ ثم قام فاختطب فقال یاایھاالناس انما ھلک الذین قبلکم انھم کانوا اذا سرق منھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحدود ، واللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا''[۲۱]

ترجمہ: (کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟ پھر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا، کہ اے لوگو بے شک تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی نادار چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا۔)

۳۔ تمام حکام اور ذمہ دار افسران و ملازمین کے طرز عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کی جائے، اور ان کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ جبکہ ہمارے ملک میں المیہ یہ ہے کہ صدر سے لیکر چپڑاسی و چوکیدار تک بے لگام ہیں، جس کا جو جی چاہے کر لیتا ہے، کوئی روک ٹوک نہیں۔ محتسب اور نیب جیسے ادارے برائے نام چیز بن گئے ہیں۔ معمولی تنخواہ دار عالی شان کوٹیوں کا مالک بنا بیٹھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک محاسبہ کے خوف سے آزاد ہے۔ جبکہ فرائض واحتساب میں آپ ﷺ کا سب سے بڑا فرض عمال کا محاسبہ تھا، یعنی جب عمال زکواۃ اور صدقہ وصول کر کے آتے تھے تو آپ ﷺ اس غرض سے اس کا جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لئے مامور فرمایا، وہ اپنی خدمت انجام دے کر واپس آئے اور آپ ﷺ نے ان کا جائزہ لیا تو انہوں نے کہا یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہیں ملا؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک عام خطبہ دیا، جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔[۲۲]

۴۔ ہمارے ہاں احتساب کا فقدان ہے اور قانون کی بالادستی کا اطلاق نہیں اگر واقعی ملک کو ایک ماڈل اسلامی سیاسی نظام کے روپ میں پیش کرنا ہے تو عدالتی نظام کو ہر قسم کے دباؤ سے آزاد کرنا انتہائی ضروری ہے۔ انصاف واحتساب کے معاملے میں حاکم و محکوم امیر وغریب اور افسر وماتحت سب کے ساتھ ایک جیسا اور مساوی سلوک کیا جائے۔ کیونکہ قومیں اپنے اور اپنے قائدین کے احتساب سے زندہ اور باقی رہتی ہیں، بعض جمہوری مزاج قوموں نے تو جنگ جیتنے والوں اور اپنے ملک کی عزت بچا لینے والوں تک کا احتساب کیا ہے اور ان کو اپنا کام ختم کر لینے کے بعد ریٹائر کر دیا ہے، قومیں بڑی بڑی شکست کھانے کے بعد سنبھل گئی ہیں۔[۲۳] امید ہے کہ احتساب کا فرض اگر خلوص اور جرأت کے ساتھ ادا کیا جائے تو ایک غیر جانب دار نقاد اور ایک بے لاگ مؤرخ کی طرح اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے گی جو ایک کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کا سبب بنے گی۔

اگر چہ تمدن اسلام کے دور ترقی میں محکمہ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا جو نہایت وسیع پیمانے پر تمام قوم کے اخلاقی مصطلحات، بیع وشراء اور معاملات وغیرہ کی نگرانی کرتا تھا، لیکن حضور ﷺ کی عہد مبارکہ میں یہ محکمہ قائم نہیں تھا بلکہ خود آپ ﷺ اس فرض کو ادا فرماتے تھے، ہر شخص کی جزئیات اخلاق اور فرائض منصبی کے متعلق آپ ﷺ وقتاً فوقتاً داروگیر فرماتے رہتے تھے۔ تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کرانا صیغہ احتساب سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگوں سے عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہیں آتے تھے ان کو سزائیں دلاتے تھے۔[۲۴] اس سلسلے میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:

''لقد رأیت الناس فی عھد النبی یبتاعون جزافاً یعنی الطعام یضربون ان یبیعون فی مکانھم حتی یؤووہ الی رحالھم''[۲۵]

ترجمہ: (آنحضرت ﷺ کے عہد میں دیکھا کہ جو لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزادی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ ڈالتے جہاں اس کو خریدا تھا۔)

اسی طرح بے لاگ عدل وانصاف کے قیام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ''[۲۶]

ترجمہ: (اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کے لئے اگر چہ نقصان ہو تمہارا، یا ماں باپ کا، یا قرابت والوں کا۔)

خلاصہ بحث

پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر بنا ہے لہذا اس مملکت خداداد کے نظام کو بھی داعی اسلام ﷺ کے طرز سیاست کے موافق استوار کرنا ہے۔ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے مملکت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جائے، جو بھی ملک یا ادارہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا یقیناً اس کے عوام وافراد خوشحال و مطمئن بھی ہونگے، کیونکہ اسلام میں ہر

فرد کے حقوق و خواہشات کا حد المقدور خیال رکھا جاتا ہے، لہذا کامیاب ریاست بھی وہی ہو سکتا ہے جس کا سیاسی نظام کامیاب ہو۔ اس ضمن میں لازمی ہے کہ ملک میں خود احتسابی کا عمل انتہائی مؤثر ہو، تمام حکام اور ذمہ دار افسران و ملازمین کے طرز عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کرنا اور ان کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا ملکی نظام کو چلانے کا انتہائی اہم حصہ ہے۔ ہمارے ملک میں ہر ایک کے بے لگامی کا جو عنصر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک محاسبہ کے خوف سے آزاد ہے۔ احتساب کا عمل پوری دیانت داری اور خلوص و جرأت کے ساتھ ادا کیا جائے تو یہ ایک کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کا سبب بنے گی۔ امن وامان کے قیام پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ داخلی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے امن ومان کا قیام انتہائی اہم ہے۔ اس وقت ملک میں امن وامان کی صورتحال انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ بد امنی، قتل وغارت گری، ٹارگٹ کلنگ، اغواء برائے تاوان، بم بلاسٹ، دھماکے اور خودکش حملے وغیرہ وہ چیزیں ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ہر شہری ذہنی کوفت میں مبتلا ہے بلکہ ان چیزوں نے ہمارے سیاسی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ پاکستان میں اس وقت بے لاگ عدل وانصاف اور عدلیہ کی بالادستی سمیت اداروں کے استحکام اور اصلاح کے لئے احتساب کے عمل کو جامع اور ہمہ گیر شکل دینے کی انتہائی اہم ضرورت ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر ہم مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ لیں تو ہم پیغمبر اسلام ﷺ کے دیئے ہوئے تعلیمات سے کوسوں دور نظر آتے ہیں۔ ہمارے ملکی سیاسی نظام میں ہر وہ ناجائز صورت موجود ہے جو کہ اسلامی معاشرے کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہو لہذا ان تمام ناجائز امور کا خاتمہ اور ایک حقیقی اسلامی سیاسی نظام کا وجود پیغمبر اسلام ﷺ کے طرز سیاست میں مضمر ہے کیونکہ حضور ﷺ کا طریق تربیت یہی تھا کہ لوگ ایمانی قوت سے مالامال ہوں اور باہمی ہمدردی، احسان وایثار، شجاعت و حمیت، صبر واستقامت، عفوودرگزر، حلم وبردباری، سخاوت وفیاضی، حسن اخلاق، صدق وتوکل، رواداری اور حسن ظن جیسے اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں۔ آپ ﷺ نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دی کہ افراد ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے پاکباز ہوں کہ ریاست اور قانون کی کم سے کم مداخلت کے باوجود بھی وہ صحیح راستے پر چلیں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد سرور، ڈاکٹر، معارف سیاسیات، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۴

۲۔ ایضا

۳۔ ایضا

۴۔ محمد تقی عثمانی، مفتی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۰ء، ص ۸۰

۵۔ ابو معاذ القرنی، حقیقت جمہوریت، الموحدین اسلامی لائبریری، ص ۲۰

۶۔ آل عمران ۳:۸۵

۷۔ ابو معاذ القرنی، حقیقت جمہوریت، الموحدین اسلامی لائبریری، ص ۵

۸۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابوداؤد، دارالرسالۃ العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء، باب فی دوام الجہاد، ج ۴، ص ۱۴۱

۹۔ ابو الاعلیٰ مودودی، سید، فلسفہ نظام کار اور اصول حکمرانی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص ۵۶۷-۵۶۶

10. David Easton, The Political System, London, 1953, P 56

۱۱۔ نشری مضمون، قرآن کا سیاسی نظام، teach Islam، جولائی ۲۰۱۵ء

۱۲۔ الطاف جاوید، جدید اسلامی ریاست اکیسویں صدی کے تناظر میں، مطبوعہ المعارف، لاہور، جنوری۔مارچ ۱۹۹۵ء

۱۳۔ خلیفہ عبد الحکیم، اسلام کا نظریہ حیات، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ۲۹۵

۱۴۔ المتقی، علاوالدین علی بن حسام الدین الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مؤسسہ رسالۃ، بیروت، ۱۴۰۱ھ، باب الاول فی خلافۃ الخلفاء، ج ۵، ص ۶۳۳

۱۵۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، امت مسلمہ کے موجودہ مسائل اور ان کا تدارک، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۱۸۶

۱۶۔ البقرہ ۲:۱۲۶

۱۷۔ البخاری، امام ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل (متوفی ۲۵۶ھ)، الجامع المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، کتاب المناقب، علامات النبوۃ

۱۸۔ محمد عبد العلی اچکزئی، ڈاکٹر، روضۃ السیرۃ، مکتبہ ولیہ، کوئٹہ، ۲۰۱۲ء، ص ۱۲۳

۱۹۔ النساء ۴:۱۳۵

۲۰۔ بحوالہ بالا البخاری، باب من رفع صوتہ بالعلم، ج ۱، ص ۲۱

۲۱۔ ایضاً، باب من انتظر حتی تدفن، ج ۴، ص ۱۷۵

[۲۲]۔ سلیمان ندوی، سید، سیرت النبی ﷺ، ادارہ اسلامیات، لاہور، جلد ۲، ص ۴۱۱

[۲۳]۔ محمد رمضان، مولوی، خطبات علی میاںؒ، دارالاشاعت کراچی، ج ۸، ص ۶۴

[۲۴]۔ بحوالہ بالا، سید سلیمان ندوی، جلد ۲، ص ۴۱۱

[۲۵]۔ بحوالہ بالا البخاری، ، باب من انتظر حتی تدفن، ج ۳، ص ۶۹

[۲۶]۔ النساء ۴:۱۳۵